

تَبَّعَ الْوَلَنْ
تَفَهِيمَ الْوَلَنْ

سُورَةُ الْحِجْر

QuranUrdu.com

١٥

سید ابوالاعلم مودودی

فہرست

3	نام:	رکو ۱
3	زمانہ نزول:	رکو ۲
3	موضوع اور مرکزی مضمون:	رکو ۳
4		رکو ۴
9		رکو ۵
16		رکو ۶
24		رکو ۷
29		رکو ۸
37		رکو ۹

نام:

آیت ۸۰ کے فقرے **كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ** سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول:

مضامین اور انداز بیان سے صاف متر شد ہوتا ہے کہ اس سورے کا زمانہ نزول سورہ ابراہیم سے متصل ہے۔ اس کے پس منظر میں دو چیزیں بالکل نمایاں نظر آتی ہیں۔ ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دیتے ایک مدت گزر چکی ہے اور مخاطب قوم کی مسلسل ہٹ دھرمی، استہزا، مراحت اور ظلم و ستم کی حد ہو گئی ہے، جس کے بعد اب تفہیم کا موقع کم اور تنبیہ و انذار کا موقع زیادہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنی قوم کے کفر و جحود اور مراحت کے پہاڑ توڑتے توڑتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھکے جا رہے ہیں اور دل شکستگی کی کیفیت بار بار آپ پر طاری ہو رہی ہے، جسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دے رہا ہے اور آپ کی ہمت بندھا رہا ہے۔

موضوع اور مرکزی مضمون:

یہی دو مضمون اس سورے میں بیان ہوئے ہیں۔ یعنی تنبیہ اُن لوگوں کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا انکار کر رہے تھے اور آپ کا مذاق اُڑاتے اور آپ کے کام میں طرح طرح کی مراحتیں کرتے تھے۔ اور تسلی و ہمت افزائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سورہ تفہیم اور نصیحت سے خالی ہے۔ قرآن میں کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے مجرد تنبیہ، یا خالص زجر و تونخ سے کام نہیں لیا ہے۔ سخت سے سخت دھمکیوں اور ملامتوں کے درمیان بھی وہ سمجھانے اور نصیحت کرنے میں کمی نہیں کرتا۔ چنانچہ اس سورے میں بھی ایک طرف توحید کے دلائل کی طرف مختصر اشارے کیے گئے ہیں، اور دوسری طرف قصہ آدم والیس سنائکر نصیحت فرمائی گئی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رکوٰء

الَّذِي تِلْكَ أَيْتُ الْكِتَابَ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ۝ رُبَما يَوْدُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝

ذَرُهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمْلُ فَسُوفَ يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا آهَدْكُنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا
وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ۝ مَا تَسْقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجْلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ وَقَالُوا يَا يَاهَا
الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝ لَوْمَا تَأْتَيْنَا بِالْمَلِئَكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّدِيقِينَ
۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلِئَكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذَا مُنْظَرِينَ ۝ إِنَّا هُنْ نَرَرُنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا هُنَّ
لَحْفِظُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيعِ الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا
كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ كَذِلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ
خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝
لَقَالُوا إِنَّا سُكِّرْتُمْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ۝

دکو٤۱

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

ا۔ ل۔ ر، یہ آیات ہیں کتابِ اللہ اور قرآن مبین کی۔^۱

بعید نہیں کہ ایک وقت وہ آجائے جب وہی لوگ جنہوں نے آج دعوتِ اسلام کو قبول کرنے سے^۲ انکار کر دیا ہے، پچھتا پچھتا کر کہیں گے کہ کاش ہم نے سر تسلیم خم کر دیا ہوتا۔ چھوڑوانہیں۔ کھائیں پیئیں، مزے کریں، اور بھلاوے میں ڈالے رکھے ان کو جھوٹی امید۔ عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ ہم نے اس سے پہلے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے اس کے لیے ایک خاص مهلتِ عمل لکھی جا چکی تھی۔^۳ کوئی قوم نہ اپنے وقتِ مقرر سے پہلے ہلاک ہو سکتی ہے، نہ اُس کے بعد چھوٹ سکتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں ”آے وہ شخص جس پر ذکر^۴ نازل ہوا ہے، تو یقیناً دیوانہ ہے۔ اگر تو سچا ہے تو ہمارے سامنے فرشتوں کو لے کیوں نہیں آتا۔“ ہم فرشتوں کو یوں نہیں اُتار دیا کرتے۔ وہ جب اُترتے ہیں تو حق کے ساتھ اُترتے ہیں اور پھر لوگوں کو مهلت نہیں دی جاتی۔^۵ رہایہ ذکر، تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔^۶

اے محمد، ہم تم سے پہلے بہت سی گزری ہوئی قوموں میں رسول بھیج چکے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اُن کے پاس کوئی رسول آیا ہوا اور انہوں نے اُس کا مذاق نہ اڑایا ہوا۔ مجریں کے دلوں میں تو ہم اس ذکر کو اسی طرح^۷ سلاخ کے مانند^۸ گزارتے ہیں۔ وہ اس پر ایمان نہیں لایا کرتے۔ قدیم سے اس قماش کے

لوگوں کا پہی طریقہ چلا آ رہا ہے۔ اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیتے اور وہ دن دھاڑے اس میں چڑھنے بھی لگتے تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری آنکھوں کو دھو کا ہورہا ہے، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ ۶۱

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 1 ▲

یہ اس سورے کی مختصر تعارفی تمہید ہے جس کے بعد فوراً ہی اصل موضوع پر خطبہ شروع ہو جاتا ہے۔ قرآن کے لیے ”مبین“ کا لفظ صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیات اس قرآن کی ہیں جو اپنا مدد عاصف صاف ظاہر کرتا ہے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 2 ▲

مطلوب یہ ہے کہ کفر کرتے ہی فوراً تو ہم نے کبھی کسی قوم کو بھی نہیں پکڑ لیا ہے، پھر یہ نادان لوگ کیوں اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ نبی کے ساتھ تکذیب و استہزاء کی جو روشن انہوں نے اختیار کر کھی ہے اس پر چونکہ ابھی تک انہیں سزا نہیں دی گئی، اس لیے یہ نبی یہ سے نبی ہی نہیں ہے۔ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہم ہر قوم کے لیے پہلے سے طے کر لیتے ہیں کہ اس کو سننے، سمجھنے اور سنچلنے کے لیے اتنی مہلت دی جائے گی، اور اس حد تک اس کی شرارتیں اور خباشتوں کے باوجود پورے تحمل کے ساتھ اسے اپنی من مانی کرنے کا موقع دیا جاتا رہے گا۔ یہ مہلت جب تک باقی رہتی ہے۔ اور ہماری مقرر کی ہوئی حد جس وقت تک آنہیں جاتی، ہم ڈھیل دیتے رہتے ہیں۔ (مہلت عمل کی تشریع کے لیے ملاحظہ ہو سورہ ابراہیم حاشیہ نمبر ۱۸)

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 3 ▲

”ذکر“ کا لفظ قرآن میں اصطلاحاً کلام اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے جو سراسر نصیحت بن کے آتا ہے۔ پہلے جتنی کتابیں انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں وہ سب بھی ”ذکر“ تھیں اور یہ قرآن بھی ”ذکر“ ہے۔ ذکر کے اصل معنی ہیں ”یاد دلانا“، ”ہوشیار کرنا“ اور ”نصیحت کرنا“۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 4 ▲

یہ فقرہ وہ لوگ طنز کے طور پر کہتے تھے۔ ان کو تو یہ تسلیم ہی نہیں تھا کہ یہ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ نہ اسے تسلیم کر لینے کے بعد وہ آپ کو دیوانہ کہہ سکتے تھے۔ دراصل ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ”اے وہ شخص جس کا دعویٰ یہ ہے کہ مجھ پر یہ ذکر نازل ہوا ہے“۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سننے کے بعد اپنے درباریوں سے کہی تھی کہ ان رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لِمَجْنُونٌ، یہ پیغمبر صاحب جو تم لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں، ان کا دماغ درست نہیں ہے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 5 ▲

”یعنی فرشتے مغض تماشاد کھانے کے لیے نہیں اتارے جاتے کہ جب کسی قوم نے کہا بلا و فرشتوں کو اور وہ فوراً حاضر ہوئے۔ نہ فرشتے اس غرض کے لیے کبھی بھیجے جاتے ہیں کہ وہ آکر لوگوں کے سامنے حقیقت کو بے نقاب کریں اور پرده غیب کا چاک کر کے وہ سب کچھ دکھادیں جس پر ایمان لانے کی دعوت انہیاء علیہم السلام نے دی ہے۔ فرشتوں کو بھیجنے کا وقت تو وہ آخری وقت ہوتا ہے جب کسی قوم کا فیصلہ چکادینے کا ارادہ کر لیا جاتا ہے۔ اس وقت بس فیصلہ چکایا جاتا ہے، یہ نہیں کہا جاتا کہ اب ایمان لاو تو چھوڑے دینے ہیں۔ ایمان لانے کی جتنی مہلت بھی ہے اسی وقت تک ہے جب تک کہ حقیقت بے نقاب نہیں ہو جاتی۔ اس کے بے نقاب ہو جانے کے بعد ایمان لانے کا کیا سوال۔

”حق کے ساتھ اترتے ہیں“ کا مطلب ”حق لے کر اتنا“ ہے۔ یعنی وہ اس لیے آتے ہیں کہ باطل کو مٹا کر حق کو اس کی جگہ قائم کر دیں۔ یادوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ لے کر آتے ہیں اور اسے نافذ کر کے چھوڑتے ہیں۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 6 ▲

یعنی یہ ”ذکر“ جس کے لانے والے کو تم مجنون کہہ رہے ہو، یہ ہمارا نازل کیا ہوا ہے، اس نے خود نہیں گھٹرا ہے۔ اس لیے یہ گالی اس کو نہیں ہمیں دی گئی ہے۔ اور یہ خیال تم اپنے دل سے نکال دو کہ تم اس ”ذکر“ کا کچھ بگاڑ سکو گے۔ یہ براہ راست ہماری حفاظت میں ہے۔ نہ تمہارے مٹائے مٹ سکے گا، نہ تمہارے دبائے دب سکے گا، نہ تمہارے طعنوں اور اعتراضوں سے اس کی قدر گھٹ سکے گی، نہ تمہارے روکے اس کی دعوت رک سکے گی، نہ اس میں تحریف اور رد و بدل کرنے کا کبھی کسی کو موقع مل سکے گا۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 7 ▲

عام طور پر متراجمن و مفسرین نے نَسْلُكُه کی ضمیر استہزاء کی طرف اور لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ کی ضمیر ذکر کی طرف پھیری ہے، اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ”ہم اسی طرح اس استہزاء کو مجرمین کے دلوں میں داخل کرتے ہیں اور وہ اس ذکر پر ایمان نہیںلاتے۔“ اگرچہ نحوی قاعدے کے لحاظ سے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن ہمارے نزدیک نحو کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح یہ ہے کہ دونوں ضمیریں ذکر کی طرف پھیری جائیں۔

سَلَكَ کے معنی عربی زبان میں کسی چیز کو دوسری چیز میں چلانے، گزارنے اور پرونسے کے ہیں، جیسے تاگے کو سوئی کے ناکے میں گزارنا۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کے اندر تو یہ ذکر قلب کی ٹھنڈک اور روح کی غذا بن کر اترتا ہے، مگر مجرموں کے دلوں میں یہ شتابہ بن کر لگتا ہے اور ان کے اندر اسے سن کر ایسی آگ بھڑک اٹھتی ہے گویا کہ ایک گرم سلاخ تھی جو سینے کے پار ہو گئی۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَاهَا لِلنَّظَرِينَ ﴿٢١﴾ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَنٍ رَّجِيمٍ
 لَا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُّبِينٌ ﴿٢٢﴾ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَالْقَيْنَاتِ فِيهَا
 رَوَاسِيَ وَأَنْبَثْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ﴿٢٣﴾ وَجَعَلْنَاكُمْ فِيهَا مَعَايشَ وَمَنْ
 لَّسْتُمْ لَهُ بِرْزِقِينَ ﴿٢٤﴾ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَرَآءِنَهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ
 وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَانْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا آنْتُمْ لَهُ بِخَزِينَينَ ﴿٢٥﴾
 وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِ وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَرِثُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ
 عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿٢٧﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٨﴾

دکو٤ ۲

یہ ہماری کار فرمائی ہے کہ آسمان میں ہم نے بہت سے مضبوط قلعے بنائے⁸، اُن کو دیکھنے والوں کے لیے مزین کیا،⁹ اور ہر شیطانِ مردود سے اُن کو محفوظ کر دیا۔¹⁰ کوئی شیطانِ ان میں را نہیں پاسکتا، إلَّا يَعْلَمُ کہ کچھ سُنْ گُن لے لے۔¹¹ اور جب وہ سُنْ گُن لینے کی کوشش کرتا ہے تو ایک شعلہ روشن اُس کا پیچھا کرتا ہے¹²۔

ہم نے زمین کو پھیلا�ا، اُس میں پہاڑ جمائے، اُس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک پی ٹلی مقدار کے ساتھ اُگائی،¹³ اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے، تمہارے لیے بھی اور اُن بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جب کے رازق تم نہیں ہو۔

کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔¹⁴

بار آور ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں، پھر آسمان سے پانی بر ساتے ہیں، اور اُس پانی سے تمہیں سیراب کرتے ہیں۔ اس دولت کے خزانہ دار تم نہیں ہو۔

زندگی اور موت ہم دیتے ہیں، اور ہم ہی سب کے وارث ہونے والے ہیں۔¹⁵ پہلے جو لوگ تم میں سے ہو گزرے ہیں اُن کو بھی ہم نے دیکھ رکھا ہے، اور بعد کے آنے والے بھی ہماری نگاہ میں ہیں۔ یقیناً تمہارا ان سب کو اکٹھا کرے گا، وہ حکیم بھی ہے اور علیم بھی۔¹⁶

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 8 ▲

بُرج عربی زبان میں قلعے، قصر اور مستحکم عمارت کو کہتے ہیں۔ قدیم علم ہدایت میں ”برج“ کا لفظ اصطلاحاً ان بارہ منزلوں کے لیے استعمال ہوتا تھا جن پر سورج کے مدار کو تقسیم کیا گیا تھا۔ اس وجہ سے بعض مفسرین نے یہ سمجھا کہ قرآن کا اشارہ انہی بروج کی طرف ہے۔ بعض دوسرے مفسرین نے اس سے مراد سیارے لیے ہیں۔ لیکن بعد کے مضمون پر غور کرنے سے خیال ہوتا ہے کہ شاید اس سے مراد عالم بالا کے وہ خطے ہیں جن میں سے ہر خطے کو نہایت مستحکم سرحدوں نے دوسرے خطے سے جدا کر رکھا ہے۔ اگرچہ یہ سرحدیں فضائی بسیط میں غیر مرئی طور پر کچھی ہوئی ہیں، لیکن ان کو پار کر کے کسی چیز کا ایک خطے سے دوسرے خطے میں چلا جانا سخت مشکل ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے ہم بروج کو محفوظ خطوں (Fortified Spheres) کی معنی میں لینا زیادہ صحیح سمجھتے ہیں۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 9 ▲

یعنی ہر خطے میں کوئی نہ کوئی روشن سیارہ یا تارار کھدیا اور اس طرح سارا عالم جگہ کا اٹھا۔ بالفاظ دیگر ہم نے اس ناپائیدار کائنات کو ایک بھیانک ڈھنڈار بنا کر نہیں رکھ دیا بلکہ ایسی حسین و جمیل دنیابنائی جس میں ہر طرف نگاہوں کو جذب کر لینے والے جلوے پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کارگری میں صرف ایک صانع اکبر کی صنعت اور ایک حکیم اجل کی حکمت ہی نظر نہیں آتی ہے، بلکہ ایک کمال درجے کا پاکیزہ ذوق رکھنے والے آرٹسٹ کا آرٹ بھی نمایاں ہے۔ یہی مضمون ایک دوسرے مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے، **آلَّذِيْ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ** ”وہ خدا کہ جس نے ہر چیز جو بنائی خوب ہی بنائی۔“

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 10 ▲

یعنی جس طرح زمین کی دوسری مخلوقات زمین کے خطے میں مقید ہیں اسی طرح شیاطین جن بھی اسی خطے میں مقید ہیں، عالم بالا تک ان کی رسائی نہیں ہے۔ اس سے دراصل لوگوں کی اُس عام غلط فہمی کو دور کرنا مقصود ہے جس میں پہلے بھی عوام الناس بتلاتھے اور آج بھی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شیطان اور اس کی ذریت کے لیے ساری کائنات کھلی پڑی ہے، جہاں تک وہ چاہیں پرواز کر سکتے ہیں۔ قرآن اس کے جواب میں بتاتا ہے کہ شیاطین ایک خاص حد سے آگے نہیں جاسکتے، انہیں غیر محدود پرواز کی طاقت ہرگز نہیں دی گئی ہے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 11 ▲

یعنی وہ شیاطین جو اپنے اولیاء کو غیب کی خبریں لا کر دینے کی کوشش کرتے ہیں، جن کی مدد سے بہت سے کاہن، جوگی، عامل اور فقیر نما بہر و پیے غیب دانی کاڈھونگ رچایا کرتے ہیں، ان کے پاس حقیقت میں غیب دانی کے ذرائع بالکل نہیں ہیں۔ وہ کچھ سن گن لینے کی کوشش ضرور کرتے ہیں، کیونکہ ان کی ساخت انسانوں کی بہ نسبت فرشتوں کی ساخت سے کچھ قریب تر ہے، لیکن فی الواقع ان کے پلے کچھ پڑتا نہیں ہے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 12 ▲

”شہاب مبین“ کے لغوی معنی ”شعلہ روشن“ کے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں اس کے لیے ”شہاب ثاقب“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی ”تاریکی کو چھیدنے والا شعلہ“۔ اس سے مراد ضروری نہیں کہ وہ ٹوٹنے والا تارا ہی ہو جسے ہماری زبان میں اصطلاحاً شہاب ثاقب کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اور کسی قسم کی شعاعیں ہوں، مثلاً کائناتی شعاعیں (Cosmic Rays) یا ان سے بھی شدید کوئی اور قسم جو ابھی ہمارے علم میں نہ آئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہی شہاب ثاقب مراد ہوں جنہیں کبھی کبھی ہماری آنکھیں

زمین کی طرف گرتے ہوئے دیکھتی ہیں۔ زمانہ حال کے مشاہدات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ دور بین سے دکھائی دینے والے شہابِ ثاقب جو فضائے بسیط سے زمین کی طرف آتے نظر آتے ہیں، ان کی تعداد کا اوسط ۱۰ کھرب روزانہ ہے، جن میں سے دو کروڑ کے قریب ہر روز زمین کے بالائی خطے میں داخل ہوتی ہیں اور بمشکل ایک زمین کی سطح تک پہنچتا ہے۔ ان کی رفتار بالائی فضا میں کم و بیش ۲۶ میل فی سینٹ ہوتی ہے اور بسا اوقات ۵۰ میل فی سینٹ تک دیکھی گئی ہے۔ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ برہنہ آنکھوں نے بھی ٹوٹنے والے تاروں کی غیر معمولی بارش دیکھی ہے۔ چنانچہ یہ چیز ریکارڈ پر موجود ہے کہ ۳۱ نومبر ۱۸۳۳ء کو شمالی امریکہ کے مشرقی علاقے میں صرف ایک مقام پر نصف شب سے لے کر صبح تک ۲ لاکھ شہابِ ثاقب گرتے ہوئے دیکھے گئے (انسانیکلوپیڈیا برٹائزکا ۱۹۳۶ء۔ جلد ۱۵۔ ص ۳۹ - ۳۷)۔ ہو سکتا ہے کہ یہی بارش عالم بالا کی طرف شیاطین کی پرواز میں مانع ہوتی ہو، کیونکہ زمین کے بالائی حدود سے گزر کر فضائے بسیط میں ۱۰ کھرب روزانہ کے اوسط سے ٹوٹنے والے تاروں کی برسات ان کے لیے اس فضائے کو بالکل ناقابلٰ عبور بنادیتی ہو گی۔

اس سے کچھ ان ”محفوظ قلعوں“ کی نوعیت کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ بظاہر فضائے بالکل صاف شفاف ہے جس میں کہیں کوئی دیوار یا چھت بنی نظر نہیں آتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی فضا میں مختلف خطوں کو کچھ ایسی غیر مرئی فصیلوں سے گھیر رکھا ہے جو ایک خطے کو دوسرے خطوں کی آفات سے محفوظ رکھتی ہیں۔ یہ انہی فصیلوں کی برکت ہے کہ جو شہابِ ثاقب دس کھرب روزانہ کے اوسط سے زمین کی طرف گرتے ہیں وہ سب جل کر بھسم ہو جاتے اور بمشکل ایک زمین کی سطح تک پہنچ سکتا ہے۔ دنیا میں شہابی پتھروں (Meteorites) کے جو نمونے پائے جاتے ہیں اور دنیا کے عجائب خانوں میں موجود ہیں ان میں سب سے بڑا ۶۲۵ پونڈ کا ایک پتھر ہے جو گر کر افیٹ زمین میں دھنس گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک

مقام پر ۳۶۲/۱ کا ایک آہنی تودہ بھی پایا گیا ہے جس کے وہاں موجود ہونے کی کوئی توجیہ سائنس دان اس کے سوانحیں کر سکے ہیں کہ یہ بھی آسمان سے گرا ہوا ہے۔ قیاس کیجیے کہ اگر زمین کی بالائی سرحدوں کی مضبوط حصاروں سے محفوظ نہ کر دیا گیا ہوتا تو ان ٹوٹنے والے تاروں کی بارش زمین کا کیا حال کر دیتی۔ یہی حصار ہیں جن کو قرآن مجید نے ”برون“ (محفوظ قلعوں) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

▲ سورۃ الحجر حاشیہ نمبر: 13

اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے ایک اور اہم نشان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ نباتات کی ہر نوع میں تناصل کی اس قدر زبردست طاقت ہے کہ اگر اس کے صرف ایک پودے ہی کی نسل کو زمین میں بڑھنے کا موقع مل جاتا تو چند سال کے اندر رونے زمین پر بس وہی وہ نظر آتی، کسی دوسری قسم کی نباتات کے لیے کوئی جگہ نہ رہتی۔ مگر یہ ایک حکیم اور قادر مطلق کا سوچا سمجھا منصوبہ ہے جس کے مطابق بے حد و حساب اقسام کی نباتات اس زمین پر اگ رہی ہیں اور ہر نوع کی پیداوار اپنی ایک مخصوص حصہ پر پہنچ کر رک جاتی ہے۔ اسی منظر کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ ہر نوع کی جسامت، پھیلاؤ، اٹھان اور نشوونما کی ایک حد مقرر ہے جس سے نباتات کی کوئی قسم بھی تجاوز نہیں کر سکتی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ہر درخت، ہر پودے اور ہر بیل بوٹے کے لیے جسم، قد، شکل، برگ و بار اور پیداوار کی ایک مقدار پورے ناپ تول اور حساب و شمار کے ساتھ مقرر کر رکھی ہے۔

▲ سورۃ الحجر حاشیہ نمبر: 14

یہاں اس حقیقت پر متنبہ فرمایا کہ یہ معاملہ صرف نباتات، ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام موجودات کے معاملہ میں عام ہے۔ ہوا، پانی، روشنی، گرمی، سردی، جمادات، نباتات، حیوانات، غرض ہر چیز، ہر نوع جنس، اور ہر قوت و طاقت کے لیے ایک حد مقرر ہے جس پر وہ ٹھیکری ہوئی ہے اور ایک مقدار ہے جس سے نہ وہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے۔ اسی تقدیر اور کمال درجہ کی حکیمانہ تقدیر، ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ زمین

سے لے کر آسمانوں تک پورے نظامِ کائنات میں یہ توازن، یہ اعتدال، اور یہ تناسب نظر آ رہا ہے۔ اگر یہ کائنات کا ایک اتفاقی حادثہ ہوتی، یا بہت سے خداوں کی کاریگری و کار فرمائی کا نتیجہ ہوتی تو اس طرح ممکن تھا کہ بے شمار مختلف اشیاء اور قوتوں کے درمیان ایسا مکمل توازن و تناسب قائم ہوتا اور مسلسل قائم رہ سکتا؟

▲ سورۃ الحجر حاشیہ نمبر: 15

یعنی تمہارے بعد ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔ تمہیں جو کچھ بھی ملا ہوا ہے محض عارضی استعمال کے لیے ملا ہوا ہے۔ آخر کار ہماری دی ہوئی ہر چیز کو یوں نہیں چھوڑ کر تم خالی ہاتھ رخصت ہو جاؤ گے اور یہ سب چیزیں جوں کی توں ہمارے خزانے میں رہ جائیں گی۔

▲ سورۃ الحجر حاشیہ نمبر: 16

یعنی اس کی حکمت سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ سب کو اکٹھا کرے اور اس کا علم سب پر اس طرح حاوی ہے کہ کوئی تنفس اس سے چھوٹ نہیں سکتا، بلکہ کسی اگلے پچھلے انسان کی خاک کا کوئی ذرہ بھی اس سے گم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جو شخص حیات اخروی کو مستبعد سمجھتا ہے وہ خدا کی صفت حکمت سے بے خبر ہے، اور جو شخص حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ جب مرنے کے بعد ہماری خاک کا ذرہ منتشر ہو جائے گا تو ہم کیسے دوبارہ پیدا کیے جائیں گے، وہ خدا کی صفت علم کو نہیں جانتا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَّاً مَّسْنُونٍ ﴿٢١﴾ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلِ مِنْ
 نَّارِ السَّمُومِ ﴿٢٢﴾ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِئَكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَّاً مَّسْنُونٍ
 فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَجِّدِينَ ﴿٢٣﴾ فَسَجَّدَ الْمَلِئَكُ كُلُّهُمْ
 أَجْمَعُونَ ﴿٢٤﴾ إِلَّا إِبْلِيسٌ أَبَى أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَ يَأْبِلِيسُ مَالِكَ أَلَا
 تَكُونُ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ لَمْ أَكُنْ لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَّاً
 مَّسْنُونٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ فَأَخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٢٨﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ
 قَالَ رَبِّي فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبَعْثُونَ ﴿٢٩﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٣٠﴾ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ
 الْمَعْلُومِ ﴿٣١﴾ قَالَ رَبِّي مَا أَغْوِيَتِنِي لَأُزَيْنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا غُوَيْنَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٢﴾
 إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿٣٤﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ
 لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَنٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغُوَيْنَ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٦﴾ لَهَا
 سَبْعَةُ أَبْوَابٍ يُكْلِبُ كُلَّ بَأْبٍ مِّنْهُمْ جُرْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿٣٧﴾

دکوع ۳

ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا۔¹⁷ اور اس سے پہلے ہم جنگوں کو ہم آگ کی لپٹ سے پیدا کر چکے تھے۔¹⁸ پھر یاد کرو اس موقع کو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ ”میں سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔ جب میں اُسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے کچھ بھونک دوں¹⁹ تو تم سب اُس کے آگے سجدے میں گرجانا۔“ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ اُس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔²⁰ رب نے پوچھا ”اے ابلیس، تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا؟“ اس نے کہا ”میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا ہے۔“ رب نے فرمایا ”اچھا تو نکل جا یہاں سے کیونکہ تو مردود ہے، اور اب روزِ جزا تک تجھ پر لعنت ہے۔“²¹ اس نے عرض کیا ”میرے رب، یہ بات ہے تو پھر مجھے اُس روز تک کے لیے مهلت دے جب کہ سب انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔“ فرمایا ”اچھا، تجھے مهلت ہے اُس دن تک جس کا وقت ہمیں معلوم ہے۔“ وہ بولا ”میرے رب، جیسا تو نے مجھے بہ کایا اُسی طرح اب میں زمین ان کے لیے دلفری بیاں پیدا کر کے ان سب کو بہ کا دوں گا،²² سوائے تیرے اُن بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے خالص کر لیا ہو۔“ فرمایا ”یہ راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔²³ بے شک، جو میرے حقیقی بندے ہیں ان پر تیر اس نہ چلے گا۔ تیر ابس تو صرف اُن بہکے ہوئے لوگوں ہی پر چلے گا جو تیری پیروی کریں،²⁴ اور ان سب کے لیے جہنم کی وعید ہے۔²⁵

یہ جہنم ﴿جس کی وعید پیر و ان ابلیس کے لیے کی گئی ہے﴾ اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ **۲۶**

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 17

یہاں قرآن اس امر کی صاف تصریح کرتا ہے کہ انسان حیوانی منازل سے ترقی کرتا ہو ابشریت کے حدود میں نہیں آیا ہے، جیسا کہ نئے دور کے ڈارو نیت سے متاثر مفسرین قرآن ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، بلکہ اس کی تخلیق کی ابتداء براہ راست ارضی مادوں سے ہوئی ہے جن کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَلٍ مَّسْنُونٍ کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ حَمَلٌ عربی زبان میں ایسی سیاہ کچڑ کو کہتے ہیں جس کے اندر بُوپیدا ہو چکی ہو، یا بالفاظ دیگر خمیر الٹھ آیا ہو۔ مسنون کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی ہیں متغیر، منت اور املس، یعنی ایسی سڑی ہوئی جس میں سڑنے کی وجہ سے چکنائی پیدا ہو گئی ہو۔ دوسرے معنی میں مصور اور مصوب، یعنی قالب میں ڈھلی ہوئی جس کو ایک خاص صورت دے دی گئی ہو۔ صلصال اس سوکھے گارے کو کہتے ہیں جو خشک ہو جانے کے بعد بننے لگے۔ یہ الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ خمیر الٹھی ہوئی مٹی کا ایک پتلابنا یا گیا تھا جو بننے کے بعد خشک ہوا اور پھر اس کے اندر روح پھونکی گئی۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 18

سموم گرم ہوا کو کہتے ہیں، اور نار کو سموم کی طرف نسبت دینے کی صورت میں اس کے معنی آگ کے بجائے تیز حرارت کے ہو جاتے ہیں۔ اس سے ان مقامات کی تشریح ہو جاتی ہے جہاں قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جن آگ سے پیدا کیے گئے ہیں۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو، الرحمن، حواشی ۱۲ تا ۱۶)

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 19 ▲

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر جو روح پھونگی گئی ہے وہ دراصل صفات اللہ کا ایک عکس یا پرتو ہے۔ حیات، علم، قدرت، ارادہ، اختیار اور دوسری جتنی صفات انسان میں پائی جاتی ہیں، جن کے مجموعہ کا نام روح ہے، یہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی صفات کا ایک ہلکا سا پرتو ہے جو اس کا لبِ خاکی پر ڈالا گیا ہے، اور اسی پر تو کی وجہ سے انسان زمین پر خدا کا خلیفہ اور ملائکہ سمیت تمام موجوداتِ ارضی کا مسجدود قرار پایا ہے۔ یوں تو ہر صفت جو مخلوقات میں پائی جاتی ہے، اس کا مصدر و منبع اللہ تعالیٰ ہی کی کوئی نہ کوئی صفت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جَعَلَ اللَّهُ الرَّحْمَةَ مِأَةً جُزُءٍ فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَ تِسْعِينَ وَ أَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ جُزْءًا وَ احِدًا فِيمَا ذُلِكَ الْجُزُءِ يَتَرَاحَمُ الْخَلَاءِ قُحْتَى تَرْفَعُ الدَّآبَةُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشِيَةً أَنْ تُصِيبَهُ (بخاری و مسلم)۔ ”اللہ تعالیٰ نے رحمت کو سو حصوں میں تقسیم فرمایا، پھر ان میں سے ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے اور صرف ایک حصہ زمین میں اتارا۔ یہ اسی ایک حصے کی برکت ہے کہ جس کی وجہ سے مخلوقات آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر جانور اپنے بچے پر سے اپنا کھڑاٹھاتا ہے تاکہ اسے ضررنہ پہنچ جائے، تو یہ بھی دراصل اسی حصہ رحمت کا اثر ہے۔“ مگر جو چیز انسان کی دوسری مخلوقات پر فضیلت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ جس جامعیت کے ساتھ اللہ کی صفات کا پرتو اس پر ڈالا گیا ہے اس سے کوئی دوسری مخلوق سرفراز نہیں کی گئی۔

یہ ایک ایسا باریک مضمون ہے جس کے سمجھنے میں ذرا سی غلطی بھی آدمی کر جائے تو اس غلط فہمی میں بتلا ہو سکتا ہے کہ صفاتِ اللہ میں سے ایک حصہ پانا الوہیت کا کوئی جز پالینے کا ہم معنی ہے۔ حالانکہ الوہیت اس سے وراء الوراء ہے کہ کوئی مخلوق اس کا ایک ادنیٰ شائਬہ بھی پاسکے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 20 ▲

تقابل کے لیے سورہ بقرہ رکوع ۲، سورہ نساء، رکوع ۱۸، اور سورہ اعراف، رکوع ۲، پیش نظر رہے۔ نیز ہمارے ان حواشی پر بھی ایک نگاہ ڈال لی جائے جو ان مقامات پر لکھے گئے ہیں۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 21 ▲

یعنی قیامت تک تو ملعون رہے گا، اسکے بعد جب روز جزا قائم ہو گا تو پھر تجھے تیری نافرمانیوں کی سزا دی جائے گی۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 22 ▲

یعنی جس طرح تو نے اس حقیر اور کم تر مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر مجھے مجبور کر دیا کہ تیرا حکم نہ مانوں، اسی طرح اب میں ان انسانوں کے لیے دنیا کو ایسا دلفریب بنادوں گا کہ یہ سب اس سے دھوکا کھا کر تیرے نافرمان بن جائیں گے۔ بالفاظ دیگر ابلیس کا مطلب یہ تھا کہ میں زمین کی زندگی اور اس کی لذتوں اور اس کے عارضی فوائد و منافع کو انسان کے لیے ایسا خوشنما بنادوں گا کہ وہ خلافت اور اس کی ذمہ داریوں اور آخرت کی باز پرس کو بھول جائیں گے اور خود تجھے بھی یا تو فراموش کر دیں گے، یا تجھے یاد رکھنے کے باوجود تیرے احکام کی خلاف ورزیاں کریں گے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 23 ▲

"هَذَا صِرَاطٌ عَلَيْهِ مُسْتَقِيمٌ" کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک معنی وہ ہیں جو ہم نے ترجمہ میں بیان کیے ہیں اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ "هَذَا طَرِيقٌ حَقٌّ عَلَيْهِ أَنْ أَرَأَيْتَهُ"، یعنی یہ بات درست ہے، میں بھی اس کا پابند رہوں گا۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 24 ▲

اس فقرے کے بھی دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو ترجیح میں اختیار کیا گیا ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ کہ میرے بندوں (یعنی عام انسانوں) پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہو گا کہ تو انہیں زبردستی نافرمان بنادے، البتہ جو خود ہی بہکے ہوئے ہوں اور آپ ہی تیری پیروی کرنا چاہیں انہیں تیری راہ پر جانے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا، انہیں ہم زبردستی اس سے باز رکھنے کی کوشش نہ کریں گے۔

پہلے معنی کے لحاظ سے مضمون کا خلاصہ یہ ہو گا کہ بندگی کا طریقہ اللہ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے، جو لوگ اس راستے کو اختیار کر لیں گے ان پر شیطان کا بس نہ چلے گا، انہیں اللہ اپنے لیے خالص فرما لے گا اور شیطان خود بھی اقراری ہے کہ وہ اس کے پھنڈے میں نہ پھنسیں گے۔ البتہ جو لوگ خود بندگی سے منحرف ہو کر اپنی فلاح و سعادت کی راہ گم کر دیں گے وہ ابليس کے ہتھے چڑھ جائیں گے اور پھر جدھر جدھر وہ انہیں فریب دے کر لے جانا چاہے گا، وہ اس کے پیچھے بھٹکتے اور دور سے دور تر نکلتے چلے جائیں گے۔

دوسرے معنی کے لحاظ سے اس بیان کا خلاصہ یہ ہو گا کہ شیطان نے انسانوں کو بہکانے کے لیے اپنا طریق کا ری بیان کیا کہ وہ زمین کی زندگی کو اس کے لیے خوشنما بنانا کر انہیں خدا سے غافل اور بندگی کی راہ سے منحرف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شرط میں نے مانی، اور مزید توضیح کرتے ہوئے یہ بات بھی صاف کر دی کہ تجھے صرف فریب دینے کا اختیار دیا جا رہا ہے، یہ اقتدار نہیں دیا جا رہا کہ توہا تھہ پکڑ کر انہیں زبردستی اپنی راہ پر کھینچ لے جائے۔ شیطان نے اپنے نوٹس سے ان بندوں کو مستثنی کیا جنہیں اللہ اپنے لیے خالص فرما لے۔ اس سے یہ غلط فہمی متراجح ہو رہی تھی کہ شاید اللہ تعالیٰ بغیر کسی معقول وجہ کے یوں جس کو چاہے گا خالص کر لے گا اور وہ شیطان کی دست رس سے نجح جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ

کربات صاف کر دی کہ جو خود بہکا ہوا ہو گا وہی تیری پیروی کرے گا۔ بالفاظ دیگر جو بہکا ہوا ہو گا وہ تیری پیروی نہ کرے گا اور وہی ہمارا وہ مخصوص بندہ ہو گا جسے ہم خالص اپنا کر لیں گے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 25 ▲

اس جگہ یہ قصہ جس غرض کے لیے بیان کیا گیا ہے اسے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ سیاق و سبق کو واضح طور پر ذہن میں رکھا جائے۔ پہلے اور دوسرے رکوع کے مضمون پر غور کرنے سے یہ بات صاف سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اس سلسلہ بیان میں آدم والبیس کا یہ قصہ بیان کرنے سے مقصود کفار کو اس حقیقت پر متنبہ کرتا ہے کہ تم اپنے ازلی دشمن شیطان کے پھنس گئے ہو اور اُس پستی میں گرے چلے جا رہے ہو جس میں وہ اپنے حسد کی بنا پر تمہیں گرانا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس یہ نبی تمہیں اس کے پھندے سے نکال کر اس بلندی کی طرف لے جانے کی کوشش کر رہا ہے جو دراصل انسان ہونے کی حیثیت سے تمہارا فطری مقام ہے۔ لیکن تم عجیب الحمق لوگ ہو کہ اپنے دشمن کو دوست، اور اپنے خیر خواہ کو دشمن سمجھ رہے ہو۔

اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی اسی قصہ سے ان پر واضح کی گئی ہے کہ تمہارے لیے راہ نجات صرف ایک ہی ہے، اور وہ اللہ کی بندگی ہے۔ اس راہ کو چھوڑ کر تم جس راہ پر بھی جاؤ گے وہ شیطان کی راہ ہے جو سیدھی جہنم کی طرف جاتی ہے۔

تیسرا بات جو اس قصے کے ذریعہ سے ان کو سمجھائی گئی ہے، یہ ہے کہ اپنی اس غلطی کے ذمہ دار تم خود ہو۔ شیطان کا کوئی کام اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ ظاہر حیات دنیا سے تم کو دھوکا دے کر تمہیں بندگی کی راہ سے منحرف کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس سے دھوکا کھانا تمہارا اپنا فعل ہے جس کی کوئی ذمہ داری

تمہارے اپنے سو اکسی اور پر نہیں ہے۔ (اس کی مزید توضیح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ ابراہیم، آیت ۲۲ و حاشیہ نمبر ۳۱)۔

▲ سورۃ الحجر حاشیہ نمبر: 26

جہنم کے یہ دروازے ان گمراہیوں اور معصیتوں کے لحاظ سے ہیں جن پر چل کر آدمی اپنے لیے دوزخ کی راہ کھولتا ہے۔ مثلاً کوئی دہریت کے راستے سے دوزخ کی طرف جاتا ہے، کوئی شرک کے راستے سے، کوئی نفاق کے راستے سے، کوئی نفس پرستی اور فسق و فجور کے راستے سے، کوئی ظلم و ستم اور خلق آزاری کے راستے سے، کوئی تبلیغ ضلالت اور اقامت کفر کے راستے سے، اور کوئی اشاعت فحشاء و منکر کے راستے سے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّتٍ وَ عَيْوَنٍ ﴿٣١﴾ أَدْخُلُوهَا بِسْلِمٍ أَمْنِينَ ﴿٣٢﴾ وَ نَرَعْنَا مَا فِي
 صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍ إِخْوَانًا عَلَى سُرِّمُتْقَبِيلِينَ ﴿٣٣﴾ لَا يَمْسُهُمْ فِيهَا نَصْبٌ وَ مَا هُمْ مِنْهَا
 بِمُحْرَجِينَ ﴿٣٤﴾ نَبِيٌّ عِبَادِيٌّ أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٣٥﴾ وَ أَنَّ عَذَابِيُّ هُوَالْعَذَابُ الْأَلِيمُ
 وَ نَيْئُهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿٣٦﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَّمًا ﴿٣٧﴾ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَ جَلُونَ
 قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلْمٍ عَلِيهِمْ ﴿٣٨﴾ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَى أَنْ مَسَنِيَ الْكِبْرُ فِيمَ
 تُبَشِّرُونَ ﴿٣٩﴾ قَالُوا بَشَّرْنَكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَنِطِينَ ﴿٤٠﴾ قَالَ وَ مَنْ يَقْنَطُ مِنْ
 رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٤١﴾ قَالَ فَمَا حَطْبُكُمْ أَيْيَهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْ
 قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٤٣﴾ إِلَّا أَلَّا لُوطٌ طِ إِنَّا لَمَنْجُوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٤﴾ إِلَّا امْرَاتُهُ قَدَرْنَا لَهَا لِمَنْ

الْغُبَرِيُّونَ ﴿٤٥﴾

دکو٤ ۲

بخلاف اس کے متّقی لوگ ²⁷ باغوں اور چشموں میں ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ داخل ہو جاؤ ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر۔ ان کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کھوٹ کپٹ ہو گی اسے ہم نکال دیں گے، ²⁸ وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔ انہیں نہ وہاں کسی مشقت سے پالا پڑے گا اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ ²⁹

آئے نبی ، میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت در گزر کرنے والا اور رحیم ہوں۔ مگر اس کے ساتھ میرا عذاب بھی نہایت دردناک عذاب ہے۔

اور انہیں ذرا ابراہیم کے مہمانوں کا قصہ سناؤ۔ ³⁰ جب وہ آئے اُس کے ہاں اور کہا ”سلام ہو تم پر“ تو اُس نے کہا ”ہمیں تم سے ڈر لگتا ہے۔ ³¹“ انہوں نے جواب دیا ”ڈر نہیں، ہم تمہیں ایک بڑے سیانے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ ³²“ ابراہیم نے کہا ”کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو؟ ذرا سوچ تو سہی کہ یہ کسی بشارت تم مجھے دے رہے ہو؟“ انہوں نے جواب دیا ” ہم تمہیں جو بشارت دے رہے ہیں، تم مایوس نہ ہو۔“ ابراہیم نے کہا ” اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔“ پھر ابراہیم نے پوچھا ” اے فرستاد گانِ الہی، وہ مہم کیا ہے جس پر آپ حضرات تشریف لائے ہیں؟ ³³“ وہ بولے ” ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ³⁴ صرف لوط کے گھروالے مستثنی ہیں، ان سب کو ہم بچالیں گے، سوائے اُس کی بیوی کے جس کے لیے ﴿اللہ فرماتا ہے کہ﴾ ہم نے مقدر کر دیا ہے کہ وہ بچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی۔“ ³⁵

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 27 ▲

یعنی وہ لوگ جو شیطان کی پیروی سے بچ رہے ہوں اور جنہوں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے عبدیت کی زندگی بسر کی ہو۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 28 ▲

یعنی نیک لوگوں کے درمیان آپس کی غلط فہمیوں کی بنا پر دنیا میں اگر کچھ کدور تیں پیدا ہو گئی ہوں گی تو جنت میں داخل ہونے کے وقت وہ دور ہو جائیں گی اور ان کے دل ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف کر دیے جائیں گے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف۔ حاشیہ نمبر ۳۲)۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 29 ▲

اس کی تشریح اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ "یقال لا هل الجنۃ ان نکم ان تصحووا ولا ترضوا ابداً، وان نکم ان تعیشو افلا تموتوا ابداً، وان نکم ان تشبّوا ولا تهرموا ابداً، وان نکم ان تقیموا فلا تظعنوا ابداً۔" یعنی "اہل جنت سے کہہ دیا جائے گا کہ اب تم ہمیشہ تند رست رہو گے، کبھی بیمار نہ پڑو گے۔ اور اب تم ہمیشہ زندہ رہو گے، کبھی موت تم کونہ آئے گی۔ اور اب تم ہمیشہ جوان رہو گے، کبھی بڑھا پا تم پرنہ آئے گا۔ اور اب تم ہمیشہ مقیم رہو گے، کبھی کوچ کرنے کی تمہیں ضرورت نہ ہو گی۔" اس کی مزید تشریح ان آیات و احادیث سے ہوتی ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ جنت میں انسان کو اپنی معاش اور اپنی ضروریات کی فراہمی کے لیے کوئی محنت نہ کرنی پڑے گی، سب کچھ اسے بلا سعی و مشقت ملے گا۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 30 ▲

یہاں حضرت ابراہیمؐ اور ان کے بعد متصل اقوام لوط کا قصہ جس غرض کے لیے سنایا جا رہا ہے اس کو سمجھنے کے لیے اس سورۃ کی ابتدائی آیات کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ آیات ۷-۸ میں کفار مکہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ”اگر تم سچے نبی ہو تو ہمارے سامنے فرشتوں کے لے کیوں نہیں آتے؟“ اس کا مختصر جواب وہاں صرف اس قدر دے کر چھوڑ دیا گیا تھا کہ ”فرشتوں کو ہم یوں ہی نہیں اتار دیا کرتے، انہیں تو ہم جب صحیح ہیں حق کے ساتھ ہی صحیح ہیں۔“ اب اس کا مفصل جواب یہاں ان دونوں قصوں کے پیرائے میں دیا جا رہا ہے۔ یہاں انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ایک ”حق“ تو وہ ہے جسے لے کر فرشتے ابراہیمؐ کے پاس آئے تھے، اور دوسرا حق وہ ہے جسے لے کر وہ قوم لوط پر پہنچے تھے۔ اب تم خود دیکھ لو کہ تمہارے پاس ان میں سے کون سا حق لے کر فرشتے آسکتے ہیں۔ ابراہیمؑ والے حق کے لاکن تو ظاہر ہے کہ تم نہیں ہو۔ اب کیا اس حق کے ساتھ فرشتوں کو بلوانا چاہتے ہو جسے لے کر وہ قوم لوط کے ہاں نازل ہوئے تھے؟

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 31 ▲

تقابل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ ہود، رکوع ۷ مع حواشی۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 32 ▲

یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت، جیسا کہ سورہ ہود میں بصراحت بیان ہوا ہے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 33 ▲

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتوں کا انسانی شکل میں آنا ہمیشہ غیر معمولی حالات ہی میں ہوا کرتا ہے اور کوئی بڑی مُهم ہی ہوتی ہے جس پر وہ بھیجے جاتے ہیں۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 34 ▲

اشارے کا یہ اختصار صاف بتارہا ہے کہ قومِ لوط کے جرائم کا پیانہ اس وقت اتنا لبریز ہو چکا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے باخبر آدمی کے سامنے اس کا نام لینے کی قطعاً ضرورت نہ تھی، بس ”ایک مجرم قوم“ کہہ دینا بالکل کافی تھا۔

QuranUrdu.com

٥٦ رَكْوَةٌ

فَلَمَّا جَاءَهُ الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُونَ ۝ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكُمْ بِمَا
كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ وَأَتَيْنَاكُمْ بِالْحَقِّ ۝ وَإِنَّا لَصَدِيقُونَ ۝ فَأَسْرِبُوا هُلْكَةً بِقِطْعٍ مِّنَ الظَّلَلِ
وَاتَّبِعُ أَدْبَارَهُمْ ۝ وَلَا يَلْتَفِتُ مِنْكُمْ أَحَدٌ ۝ وَمُضْوِأَ حَيْثُ تُؤْمِنُونَ ۝ وَقَضَيْنَا آلَيْهِ ذَلِكَ
الْأَمْرَ ۝ أَذْبَرَهُؤُلَاءِ مَقْطُوْعَ مُصْبِحِينَ ۝ وَجَاءَهُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ قَالَ إِنَّ
هُؤُلَاءِ ضَيْفِي ۝ فَلَا تَفْضَحُونِ ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۝ وَلَا تُخْرُونِ ۝ قَالُوا أَوْ لَمْ نَنْهَاكُمْ عَنِ
الْعُلَمَائِينَ ۝ قَالَ هُؤُلَاءِ بَنْتِي ۝ إِنْ كُنْتُمْ فِي عِلْمٍ ۝ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكُرٍ تِهِيمٍ يَعْمَهُونَ ۝
فَأَخَذَتُهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَّهَا سَافِلَهَا ۝ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ
سِحْرِيْلٍ ۝ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَا يَتِي لِلْمُتَوَسِّمِينَ ۝ وَإِنَّهَا لِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ۝ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَا يَتِي
لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَلِمِينَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۝ وَإِنَّهُمَا
لِيَامَاءِ مُمِينِ ۝

دکوں ۵

پھر جب یہ فرستادے لوٹ کے ہاں پہنچے ³⁵ تو اس نے کہا ”آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں“ ³⁶ انہوں نے جواب دیا ”نہیں، بلکہ ہم وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے آنے میں یہ لوگ شک کر رہے تھے۔ ہم تم سے سچ کہتے ہیں کہ ہم حق کے ساتھ تمہارے پاس آئے ہیں، لہذا اب تم کچھ رات رہے اپنے گھروالوں کو لے کر نکل جاؤ اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلو۔ ³⁷ تم میں سے کوئی پلت کرنہ دیکھے۔ ³⁸ بس سیدھے چل جاؤ چہر جانے کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔“ اور اُسے ہم نے اپنا یہ فیصلہ پہنچا دیا کہ صبح ہوتے ہوتے ان لوگوں کی جڑکاٹ دی جائے گی۔

اتنے میں شہر کے لوگ خوشی کے مارے بے تاب ہو کر لوٹ کے گھر چڑھ آئے۔ ³⁹ لوٹ نے کہا ”نجا یو، یہ میرے مہمان ہیں، میری فضیحت نہ کرو، اللہ سے ڈرو، مجھے رُسوانہ کرو۔“ وہ بولے ”کیا ہم بارہا تمہیں منع نہیں کر چکے ہیں کہ دُنیا بھر کے ٹھیکیدار نہ بنو۔“ لوٹ نے عاجز ہو کر کہا ”اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں“ ⁴⁰!

تیری جان کی قسم اے نبی، اُس وقت ان پر ایک نشہ سا چڑھا ہوا تھا جس میں وہ آپ سے باہر ہوئے جاتے تھے۔

آخرِ کار پوچھتے ہی ان کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا اور ہم نے اُس بستی کو تُل پٹ کر کے رکھ دیا اور ان پر کمی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش بر سادی۔ ⁴¹

اس واقعے میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو صاحب فراست ہیں۔ اور وہ علاقہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا پھر گزرگاہِ عام پر واقع ہے، ⁴² اس میں سامانِ عبرت ہے اُن لوگوں کے لیے جو صاحب ایمان ہیں۔

اور ایکہ ⁴³ والے ظالم تھے، تو دیکھ لو کہ ہم نے بھی اُن سے انتقام لیا، اور ان دونوں قوموں کے اُجڑے ہوئے علاقے کھلے راستے پر واقع ہیں۔ ⁴⁴

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 35

تقابل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف رکوع ۴۰ اوسورہ ہود رکوع ۷۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 36

یہاں بات مختصر بیان کی گئی ہے۔ سورہ ہود میں اس کی تفصیل یہ دی گئی ہے کہ ان لوگوں کے آنے سے حضرت لوٹ بہت گھبرائے اور سخت دل تنگ ہوئے اور ان کو دیکھتے ہی اپنے دل میں کہنے لگے کہ آج بڑا سخت وقت آیا ہے۔ اس گھبراہٹ کی وجہ جو قرآن کے بیان سے اشارہً اور روایات سے صراحتہً معلوم ہوتی ہے کہ یہ فرشتے نہایت خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوٹ علیہ السلام کے ہاں پہنچے تھے۔ اور حضرت لوٹ علیہ السلام اپنی قوم کی بد معاشری سے واقف تھے، اس لیے آپ سخت پریشان ہوئے کہ آئے ہوئے مہمانوں کو واپس بھی نہیں کیا جا سکتا، اور انہیں ان مدد معاشوں سے بچانا بھی مشکل ہے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 37

یعنی اس غرض سے اپنے گھروالوں کے پیچھے چلو کہ ان میں سے کوئی ٹھیرنے نہ پائے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 38

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پلٹ کر دیکھتے ہی تم پتھر کے ہو جاؤ گے، جیسا کہ بائبل میں بیان ہوا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیچھے کی آوازیں اور شور و غل سن کر تماشا دیکھنے کے لیے نہ ٹھیر جانا۔ یہ نہ تماشا

دیکھنے کا وقت ہے، اور نہ مجرم قوم کی ہلاکت پر آنسو بہانے کا۔ ایک لمحہ بھی اگر تم نے معدب قوم کے علاقے میں دم لے لیا تو بعید نہیں کہ تمہیں بھی اس ہلاکت کی بارش سے کچھ گزند پہنچ جائے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 39 ▲

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس قوم کی بد اخلاقی کس حد کو پہنچ چکی تھی۔ بستی کے ایک شخص کے ہاں چند خوبصورت مہمانوں کا آجانا اس بات کے لیے کافی تھا کہ اس کے گھر پر اوباشوں کا ایک ہجوم امنڈ آئے اور علانیہ وہ اس سے مطالبہ کریں کہ اپنے مہمانوں کو بد کاری کے لیے ہمارے حوالے کر دے۔ ان کی پوری آبادی میں کوئی ایسا غضر باقی نہ رہا تھا جو ان حرکات کے خلاف آواز اٹھاتا، اور نہ ان کی قوم میں کوئی اخلاقی حس باقی رہ گئی تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو علی الاعلان یہ زیادتیاں کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس ہوتی۔ حضرت لوط علیہ السلام جیسے مقدس انسان اور معلم اخلاق کے گھر پر بھی جب بد معاشوں کا جملہ اس بے باکی کے ساتھ ہو سکتا تھا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عام انسانوں کے ساتھ ان بستیوں میں کیا کچھ ہو رہا ہو گا۔

تلמוד میں اس قوم کے جو حالات لکھے ہیں ان کا ایک خلاصہ ہم یہاں دیتے ہیں جس سے کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ معلوم ہو گا کہ یہ قوم اخلاقی فساد کی کس انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عیلامی مسافران کے علاقے سے گزر رہا تھا۔ راستہ میں شام ہو گئی اور اسے مجبوراً ان کے شہر سدوم میں ٹھیک نہ پڑا۔ اس کے ساتھ اپنا زادراہ تھا۔ کسی سے اس نے میزبانی کی درخواست نہ کی۔ بس ایک درخت کے نیچے اتر گیا۔ مگر ایک سدومی اصرار کے ساتھ اٹھا کر اسے اپنے گھر لے گیا۔ رات اسے اپنے ہاں رکھا اور صح ہونے سے پہلے اس کا گدھا اس کے زین اور مال تجارت سمیت اڑا دیا۔ اس نے شور مچایا۔ مگر کسی نے اسی کی فریاد نہ سنی۔ بلکہ بستی کے لوگوں نے اس کا رہا سہماں بھی لوٹ کر اسے نکال باہر کیا۔

ایک مرتبہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہ نے حضرت لوٹ علیہ السلام کے گھروالوں کی خیریت دریافت کرنے کے لیے اپنے غلام العیزر کو سدوم بھیجا۔ العیزر جب شہر میں داخل ہو تو اس نے دیکھا کہ ایک سدومی ایک جنبی کو مار رہا ہے۔ العیزر نے اسے شرم دلائی کہ تم بے کس مسافروں سے یہ سلوک کرتے ہو۔ مگر جواب میں سر بازار العیزر کا سر پھاڑ دیا گیا۔

ایک مرتبہ ایک غریب آدمی کہیں سے ان کے شہر میں آیا اور کسی نے اسے کھانے کو کچھ نہ دیا۔ وہ فاتحہ سے بدحال ہو کر ایک جگہ گرا پڑا تھا کہ حضرت لوٹ علیہ السلام کی بیٹی نے اسے دیکھ لیا اور اس کے لیے کھانا پہنچایا۔ اس پر حضرت لوٹ علیہ السلام اور ان کی بیٹی کو سخت ملامت کی گئی اور انہیں دھمکیاں دی گئیں کہ ان حرکتوں کے ساتھ تم لوگ ہماری بستی میں نہیں رہ سکتے۔

اس طرح کے متعدد واقعات بیان کرنے کے بعد تلمود کا مصنف لکھتا ہے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں یہ لوگ سخت ظالم، دھوکہ باز اور بد معاملہ تھے۔ کوئی مسافران کے علاقے سے بخیریت نہ گزر سکتا تھا۔ کوئی غریب ان کی بستیوں سے روٹی کا ایک ٹکڑا نہ پا سکتا تھا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ باہر کا آدمی ان کے علاقے میں پہنچ کر فاقوں سے مرجاتا اور یہ اس کو کپڑے اتار کر اس کی لاش کو برہنہ دفن کر دیتے۔ بیرونی تاجر اگر شامت کے مارے وہاں چلے جاتے تو بر سر عام لوٹ لیے جاتے اور ان کی فریاد کو ٹھٹھوں میں اڑا دیا جاتا۔ اپنی وادی کو انہوں نے ایک باغ بنار کھا تھا جس کا سلسہ میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس باغ میں وہ انتہائی بے حیائی کے ساتھ علانیہ بد کاریاں کرتے تھے اور ایک لوٹ علیہ السلام کی زبان کے سوا کوئی زبان ان کو ٹوکنے والی نہ تھی۔ قرآن مجید میں اس پوری داستان کو سمیٹ کر صرف دو فقروں میں بیان کر دیا گیا ہے کہ "وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ"۔ (وہ پہلے سے بہت بڑے بڑے کام کر رہے تھے) اور "أَعِنَّكُمْ

لَتَأْتُونَ إِلَيْنَا حَاجَةً وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرِ (تم مردوں سے خواہش نفس پوری کرتے ہو، مسافروں کی راہ مارتے ہو اور اپنی مجلسوں میں کھلم کھلا بد کاریاں کرتے ہو؟)

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 40 ▲

اس کی تشریح سورہ ہود کے حاشیہ نمبر ۸۷ میں بیان کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ یہ کلمات ایک شریف آدمی کی زبان پر ایسے وقت میں آئے ہیں جب کہ وہ بالکل تنگ آچکا تھا اور بد معاش لوگ اس کی ساری فریاد و فغاں سے بے پرواہ ہو کر اس کے مہمانوں پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔

اس موقع پر ایک بات کو صاف کر دینا ضروری ہے۔ سورہ ہود میں واقعہ جس ترتیب سے بیان کیا گیا ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو بد معاشوں کے اس حملہ کے وقت تک یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے مہماں درحقیقت فرشتے ہیں۔ وہ اس وقت تک یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ چند مسافر لڑکے ہیں جو ان کے ہاں آکر ٹھیکرے ہیں۔ انہوں نے اپنے فرشتہ ہونے کی حقیقت اس وقت کھو لی جب بد معاشوں کا ہجوم مہمانوں کی قیامگاہ پر پڑا اور حضرت لوط علیہ السلام نے ترੜپ کر فرمایا "لَوْاَنَ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ أُوْيَ لَىٰ رُؤْكُنْ شَدِيْدٍ" (کاش مجھے تمہارے مقابلے کی طاقت حاصل ہوتی یا میرا کوئی سہارا ہوتا جس سے میں حمایت حاصل کرتا)۔ اس کے بعد فرشتوں نے ان سے کہا کہ اب تم اپنے گھروں کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور ہمیں ان سے نہیں کے لیے چھوڑ دو۔ واقعات کی اس ترتیب کو نگاہ میں رکھنے سے پورا اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے یہ الفاظ کس تنگ موقع پر عاجز آکر فرمائے تھے۔ اس سورے میں چونکہ واقعات کو ان کی ترتیب و قوع کے لحاظ سے نہیں بیان کیا جا رہا ہے، بلکہ اس خاص پہلو کو خاص طور پر نمایاں کرنا مقصود ہے جسے ذہن نشین کرنے کی خاطر ہی یہ قصہ یہاں نقل کیا گیا ہے، اس لیے ایک عام ناظر کو

یہاں یہ غلط فہمی پیش آتی ہے کہ فرشتے ابتداء ہی میں اپنا تعارف حضرت لوط علیہ السلام سے کراچکے تھے اور اب اپنے مہمانوں کی آبرو بچانے کے لیے ان کی یہ ساری فریاد و فغاں محض ایک ڈرامائی انداز کی تھی۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 41

یہ کپی ہوئی مٹی کے پتھر ممکن ہے کہ شہاب ثاقب کی نوعیت کے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ آتش فشاںی انفجار (Volcanic eruption) کی بدولت زمین سے نکل کر اڑے ہوں اور پھر ان پر بارش کی طرح برس گئے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک سخت آندھی نے یہ پتھر اؤ کیا ہو۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 42

یعنی ججاز سے شام اور عراق سے مصر جاتے ہوئے یہ تباہ شدہ علاقہ راستہ میں پڑتا ہے اور عموماً قافلوں کے لوگ تباہی کے ان آثار کو دیکھتے ہیں جو اس پورے علاقے میں آج تک نمایاں ہیں۔ یہ علاقہ بحر لوط (بحیرہ مردار) کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس کے جنوبی حصے کے متعلق جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ یہاں اس درجہ ویرانی پائی جاتی ہے جس کی نظیر روئے زمین پر کہیں اور نہیں دیکھی جائی۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 43

یعنی حضرت شعیب کی قوم کے لوگ۔ اس قوم کا نام بنی مدین تھا۔ مدنیں ان کے مرکزی شہر کو بھی کہتے ہیں اور اس کے پورے علاقے کو بھی۔ رہا ایکہ تو یہ تبوک کا قدیم نام تھا۔ اس لفظ کے لغوی معنی گھنے جنگل کے ہیں۔ آج کل ایک پہاڑی نالے کا نام ہے جو جبل اللوز اور وادیِ افل میں آکر گرتا ہے۔ (شرح کے لیے ملاحظہ ہوا شعراء، حاشیہ ۱۱۵)

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 44 ▲

مدین اور اصحاب الائکہ کا علاقہ بھی حجاز سے فلسطین و شام جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْجِبْرِ الرُّسُلِينَ ۝ وَأَتَيْنَاهُمْ أَيْتَنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ وَ
 كَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُرْوَةً أَمِينِينَ ۝ فَأَخَذَنَاهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ۝ فَمَا أَغْنَى
 عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِإِحْقَاقٍ ۝ وَ
 إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فَاصْفَحْ الصَّفَحَ الْجَيِّلَ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلُقُ الْعَلِيمُ ۝ وَلَقَدْ
 أَتَيْنَكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝ لَا تَمْدَنَ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ
 أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزُنْ عَلَيْهِمْ وَاحْفِظْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ
 الْمُبِينُ ۝ كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ۝ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِصِّينَ ۝ فَوَرَبِّكَ
 لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَاصْدَأْ بِمَا تُؤْمِرُ وَأَعْرِضْ عَنِ
 الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا أَخْرَى
 فَسُوفَ يَعْلَمُونَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضْيِقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۝ فَسَيَّرْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ
 كُنْ مِنَ السُّجَدِينَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝

۶ دکوں

حجرہ 45 کے لوگ بھی رسولوں کی تکذیب کرچکے ہیں۔ ہم نے اپنی آیات ان کے پاس بھیجیں، اپنی نشانیاں ان کو دکھائیں مگر وہ سب کو نظر انداز ہی کرتے رہے وہ پھاڑ تراش کر مکان بناتے تھے اور اپنی جگہ بالکل بے خوف اور مطمئن تھے۔ آخر کار ایک زبردست دھماکے نے ان کو صبح ہوتے آلیا اور ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔ 46

ہم نے زمین اور آسمان کو اور ان کی موجودات کو حق کے سوا کسی اور بنیاد پر خلق نہیں کیا ہے، 47 اور فیصلہ کی گھٹری یقیناً آنے والی ہے، پس اے محمد، تم ﴿اِن لوگوں کی بے ہود گیوں پر﴾ شریفانہ در گزر سے کام لو۔ یقیناً تمہارا رب سب کا خالق ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ 48 ہم نے تم کو سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار دھرائی جانے کے لائق ہیں 49 اور تمہیں قرآن عظیم عطا کیا ہے۔ 50 تم اس متاع دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کرنا دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے، اور نہ ان کے حال پر اپنا دل گڑھاؤ۔ 51 انہیں چھوڑ کر ایمان لانے والوں کی طرف جھکلو اور ﴿نہ ماننے والوں سے﴾ کہہ دو کہ میں تو صاف صاف تنبیہ کرنے والا ہوں۔ یہ اُسی طرح کی تنبیہ ہے جیسی ہم نے ان تفرقة پر دازوں کی طرف بھیجی تھی جنہوں نے اپنے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے۔ 52 تو قسم ہے تیرے رب کی، ہم ضرور ان سے پوچھیں گے کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

پس اے نبی، جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اُسے ہانکے پگارے کہہ دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پروا نہ کرو۔ تمہاری طرف سے ہم اُن مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی خدا قرار دیتے ہیں۔ عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔

ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ تم پر بناتے ہیں اُن سے تمہارے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے۔ اُس کا علاج یہ ہے کہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو، اُس کی جناب میں سجدہ بجالاؤ، اور اُس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے ۵۳۔ ۶۴

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 45

یہ قوم شمود کا مرکزی شہر تھا۔ اس کے ہلنڈر مدینہ کے شمال مغرب میں موجودہ شہر العلاء سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے یہ مقام شاہراہ عام پر ملتا ہے اور قافلے اس وادی میں سے ہو کر گزرتے ہیں، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق کوئی یہاں قیام نہیں کرتا۔ آٹھویں صدی ہجری میں ابن بطوطة حج کو جاتے ہوئے یہاں پہنچا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ”یہاں سرخ رنگ کے پہاڑوں میں قوم شمود کی عمارتیں موجود ہیں جو انہوں نے چٹانوں کو تراش کر ان کے اندر بنائی تھیں۔ ان کے نقش و نگار اس وقت تک ایسے تازہ ہیں جیسے آج بنائے گئے ہوں۔ ان مکانات میں اب بھی سڑی گلی انسانی ہڈیاں پڑی ہوئی ملتی ہیں۔“ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف حاشیہ نمبر ۷۵)

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 46

یعنی ان کے وہ سنگین مکانات جو انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر ان کے اندر بنائے تھے ان کی کچھ بھی حفاظت نہ کر سکے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 47 ▲

یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلیم و تسکین کے لیے فرمائی جا رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت بظاہر باطل کا جو غلبہ تم دیکھ رہے ہو اور حق کے راستہ میں جن مشکلات اور مصائب سے تمہیں سابقہ پیش آ رہا ہے، اس سے گھبراو نہیں۔ یہ ایک عارضی کیفیت ہے، مستقل اور دائمی حالت نہیں ہے۔ اس لیے کہ زمین و آسمان کا یہ پورا نظام حق پر تعمیر ہوا ہے نہ کہ باطل پر۔ کائنات کی فطرت حق کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے نہ کہ باطل کے ساتھ۔ لہذا یہاں اگر قیاس و دوام ہے تو حق کے لیے نہ کہ باطل کے لیے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سو رہ ابراہیم حواشی ۳۵ - ۲۶ - ۳۹ تا ۴۰)۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 48 ▲

یعنی خالق ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی مخلوق پر کامل غلبہ و تسلط رکھتا ہے، کسی مخلوق کی یہ طاقت نہیں ہے کہ اس کی گرفت سے نج سکے۔ اور اس کے ساتھ وہ پوری طرح باخبر بھی ہے، جو کچھ ان لوگوں کی اصلاح کے لیے تم کر رہے ہو اسے بھی وہ جانتا ہے اور جن ہتھنڈوں سے یہ تمہاری سعی اصلاح کو ناکام کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں ان کا بھی اسے علم ہے۔ لہذا تمہیں گھبرانے اور بے صبر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مطمئن رہو کہ وقت آنے پر ٹھیک ٹھیک انصاف کے مطابق فیصلہ چکا دیا جائے گا۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 49 ▲

یعنی سورہ فاتحہ کی آیات۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اس سے مراد وہ سات بڑی بڑی سورتیں بھی لی ہیں جن میں دو دو سو آیتیں ہیں، یعنی البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف اور یونس، یا انفال و توبہ۔ لیکن سلف کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ اس سے سورہ فاتحہ ہی مراد ہے۔ بلکہ امام بخاری نے دو مرفوں روایتیں بھی اس امر کے ثبوت میں پیش کی ہیں کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سبع من المثانی سے مراد سورہ فاتحہ بتائی ہے۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 50 ▲

یہ بات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی تسکین و تسلی کے لیے فرمائی گئی ہے۔ یہ وقت وہ تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی سب کے سب انتہائی خستہ حالی میں مبتلا تھے۔ کار نبوت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت قریب ختم ہو چکی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سرمایہ بھی دس بارہ سال کے عرصے میں خرچ ہو چکا تھا۔ مسلمانوں میں سے بعض کم سن نوجوان تھے جو گھروں سے نکال دیے گئے تھے، بعض صنعت پیشہ یا تجارت پیشہ تھے جن کے کار و بار معاشری مقاطعہ کی مسلسل ضرب سے بالکل بیٹھ گئے تھے، اور بعض بیچارے پہلے ہی غلام یا موائل تھے جن کی کوئی معاشری حیثیت نہ تھی۔ اس پر مزید یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام مسلمان کے اور اطراف و نواحی کی بستیوں میں انتہائی مظلومی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہر طرف سے مطعون تھے، ہر جگہ تذلیل و تحقیر اور تفحیک کا نشانہ بنے ہوئے تھے، اور قلبی و روحانی تکلیفوں کے ساتھ جسمانی اذیتوں سے بھی کوئی بچا ہوانہ تھا۔ دوسری طرف سردارن قریش دنیا کی نعمتوں سے مالا مال اور ہر طرح کی خوشحالیوں میں مگن تھے۔ ان حالات میں فرمایا جا رہا ہے کہ تم شکستہ خاطر کیوں ہوتے ہو، تم کو تو ہم نے وہ دولت عطا کی ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں۔ رشک کے لاکن تمہاری یہ علمی و اخلاقی دولت ہے نہ کہ ان لوگوں کی مادی دولت جو طرح طرح کے حرام طریقوں سے کمار ہے ہیں اور طرح طرح کے حرام راستوں میں اس کمائی کو اڑا رہے ہیں اور آخر کار بالکل مفلس و فلاش ہو کر اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے والے ہیں۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 51 ▲

یعنی اُن کے اس حال پر نہ کڑھو کہ اپنے خیر خواہ کو اپنا دشمن سمجھ رہے ہیں، اپنی گمراہیوں اور اخلاقی خرابیوں کو اپنی خوبیاں سمجھے بیٹھے ہیں، خود اُس راستے پر جا رہے ہیں اور اپنی ساری قوم کو اس پر لیے جا رہے

ہیں جس کا یقینی انجام ہلاکت ہے، اور جو شخص انہیں سلامتی کی راہ دکھارہا ہے اس کی سعی اصلاح کو ناکام بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیے ڈالتے ہیں۔

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 52

اس گروہ سے مراد یہود ہیں۔ ان کو مقتَسِمِین اس معنی میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے دین کو تقسیم کر ڈالا، اس کی بعض باتوں کو مانا، اور بعض کو نہ مانا، اور اس طرح طرح کی کمی و بیشی کر کے بیسیوں فرقے بنانے لیے۔ ان کے ”قرآن“ سے مراد تورات ہے جو ان کو اسی طرح دی گئی تھی جس طرح امتِ محمد یہ ﷺ کو قرآن دیا گیا ہے۔ اور اس ”قرآن“ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے سے مراد وہی فعل ہے جسے سورہ بقرہ آیت ۸۵ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ **أَفَتُؤْمِنُونَ بِعَضِ الْكِتَبِ وَتَكْفُرُونَ بِعَضٍ** (کیا تم کتاب اللہ کی بعض باتوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے کفر کرتے ہو؟)۔ پھر یہ جو فرمایا کہ یہ تنبیہ جو آج تم کو کی جا رہی ہے یہ ویسی ہی تنبیہ ہے جیسی تم سے پہلے یہود کو کی جا چکی ہے، تو اس سے مقصود دراصل یہود کے حال سے عبرت دلانا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہود یوں نے خدا کی بھیجی ہوئی تنبیہات سے غفلت بر تکر جو انجام دیکھا ہے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اب سوچ لو، کیا تم بھی یہی انجام دیکھنا چاہتے ہو؟

سورة الحجر حاشیہ نمبر: 53

یعنی تبلیغِ حق اور دعوتِ اصلاح کی کوششوں میں جن تکلیفوں اور مصیبتوں سے تم کو سابقہ پیش آتا ہے، ان کے مقابلے کی طاقت اگر تمہیں مل سکتی ہے تو صرف نماز اور بندگی رب پر استقامت سے مل سکتی ہے۔ یہی چیز تمہیں تسلی بھی دے گی، تم میں صبر بھی پیدا کرے گی، تمہارا حوصلہ بھی بڑھائے گی، اور تم کو اس قابل بھی بنادے گی کہ دنیا بھر کی گالیوں اور مذمتوں اور مزاجتوں کے مقابلے میں اس خدمت پر ڈلے رہو جس کی انجام دہی میں تمہارے رب کی رضا ہے۔